© rasailojaraid.com

عبدالحی صدیقی ☆

شمامتہ العنبر فی ماورد

فی الھند من سید البشرا ۔

بقول پروفیسر نکلسن مسلمانوں میں علم کا ذوق اس قدر زیادہ اور عالمگیر تھا کہ معلوم ہوتا تھا گویا ساری دنیا خلیفہ سے لے کر حقیر سے حقیر شہری تک دفعتاً" طالب علم یا کم از کم علم وادب کی سرپرست بن گئی ہو۔ برعظیم بھی مسلمانوں کی ان ضیا پاشیوں سے محروم نہ رہا اور ان کے عہد حکومت میں یہ خطہ ہر قسم کے ادبی، سائنسی اور فلسفیانہ علوم کا مرکز بن گیا۔ چنانچہ دارالسلطنت دہلی میں علماء و فضلاء کا ہمیشہ اجتماع رہتا تھا۔(۱) یہاں ایسے ایسے علماء پیدا ہوئے جنہیں دنیائے علم و دانش اپنا سرتاج خیال کرتی ہے۔ سلطان المشائخ نظام الدین (۲)، شاہ ولی اللہ (۳) اور شیخ عبدالحق (۴) یہ وہ فضلا تھے کہ **تشنگان** علوم دل کھول کر ان سے سیراب ہوئے۔

۱۳۹۹ء میں تیموری حملے کے بعد دہلی کا شیرازہ بکھر گیا تو علماء اگرچہ ملک کے اطراف وجوانب میں پھیل گئے لیکن ان میں سے اکثر پورب (۵) کی طرف مائل ہوئے۔ قصبہ بلگرام (۶) بھی انہیں دنوں مرجع علماء وفضلا بنا۔ مولانا آزاد اسی قصبہ بلگرام میں ۲۵ صفر ۱۱۱۶ھ ۹ جون ۱۷۰۴ء کو سادات واسطیہ کے ایک مشہور خاندان میں پیدا ہوئے۔(۷)

کتب درسیہ ابتدا سے آخر تک سید محمد طفیل سے، لغت، سیر نبویہ سند حدیث، شعر عربی و فارسی اپنے نانا سید عبدالجلیل سے حاصل کئے (۸) ۱۱۴۰ھ میں اپنے نانا کے ہمراہ (شاہجہاں آباد) دہلی چلے گئے اور تحصیل علم کے لئے دو سال تک وہاں مقیم رہے (۹)

دہلی سے واپس آئے تو ۱۱۴۳ھ میں اپنے ماموں میر سید محمد کے پاس سیوستان (۱۰) چلے گئے جو وہاں میر بخشی کے عہدے پر فائز تھے۔ میر سید محمد نے ان کے آنے کو غنیمت جانا اور انہیں وہاں اپنا قائم مقام کر کے بلگرام واپس آگئے آزاد چار سال تک وہاں مقیم رہے (۱۱) واپسی پر آپ لاہور، ملتان، اچ اور بھکسر بھی گئے۔

۳ رجب ۱۱۵۰ھ کو پوشیدہ طور پر پاپیادہ حج بیت اللہ کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ جنگلوں اور بیابانوں کو طے کرتے ہوئے بندرگاہ سورت سے جہاز پر سوار ہوئے اور ۱۳ محرم کو جدہ پہنچے۔ چار دن وہاں قیام کرنے کے بعد مکہ **معظمہ** تشریف لے گئے۔ حج کا موسم نہ تھا اس لئے وہاں صرف ایک روز ہی قیام کیا اور ۲۵ صفر کو مدینہ منورہ پہنچ گئے۔(۱۲)

مدینہ میں آپ کی ملاقات شیخ محمد حیات سندھی (۱۳) سے ہوئی جو ایک بلند پایہ محدث تھے۔ آزاد نے ان سے صحاح ستہ کی سند حاصل کی۔ ۱۴ شوال کو مدینہ منورہ سے رخصت ہو کر اسی ماہ کے اواخر میں مکہ **معظمہ** پہنچ گئے اور شیخ عبدالوہاب طنطاوی سے بعض **حدیثی** فوائد حاصل کئے (۱۴) حج سے فارغ ہوئے تو طائف تشریف لے گئے اور وہاں مختلف مقامات دیکھنے کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی قبر پر بھی گئے۔(۱۵) یہاں سے پھر جدہ چلے گئے اور ۳ جمادی الاولیٰ کو وطن جانے کے لئے جہاز پر سوار ہوئے۔ ۷ دن کے بعد جہاز سورت پہنچا اور آزاد مختلف مقامات پر قیام کرتے ہوئے ۲۹ ذوالقعدہ کو اورنگ آباد پہنچے اور سات سال تک شاہ مسافر کے تکیہ میں مقیم رہے (۱۶)

☆ سابق استاد ادارہ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب و اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۱۵۹ھ میں آزاد اور نواب نظام الدولہ ناصر جنگ خلف نواب نظام ملک آصف جاہ میں دوستی ہو گئی۔ وہ سفر و حضر میں آزاد کو اپنے ہمراہ رکھتے تھے لیکن ۱۱۶۴ھ میں نواب ایک حادثہ میں شہید ہو گئے(۱۷)

۱۲۰۰ھ میں آزاد اورنگ آباد میں ہی فوت ہوئے اور یہیں دفن ہوئے(۱۸) آزاد بڑے ماہر اور ممتاز ادیب تھے' تاریخ و محاضرات پر وسیع نظر رکھتے تھے' عربی' فارسی اور ہندی تینوں زبانوں پر انہیں مہارت تامہ حاصل تھی۔ مختلف موضوعات پر آپ نے کم و بیش پندرہ تصانیف یادگار چھوڑی ہیں(۱۹)

بارہویں صدی ہجری میں یہ مذاق عام ہو گیا تھا کہ علماء و فضلا معاصرین کی تردید و تائید میں رسائل لکھتے۔ ان رسائل کی تحریر کا رنگ عام طور پر مناظرانہ ہوتا تھا۔ آزاد بلگرامی بھی اسی دور کے آدمی تھے۔ ان کی مقبولیت عام ان کے بعض معاصرین کی نظر میں کھٹکتی رہی اس لئے ان کی بعض علمی لغزشوں کو مشتہر کرنے کی کوشش بڑے شد و مد سے کی گئی لیکن ان کا علمی کام اس قدر مختلف النوع تھا کہ اس کی شعائیں دیار و امصار میں نئے رنگ اور نئے جلوں کے ساتھ عوام میں آئیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چراغ دکھلانے والے چڑھتے سورج سے بازی نہ لے جا سکے۔

شمامتہ العنبر(۲۰)

۱۱۶۲ھ میں آزاد دوبارہ برہان پور گئے تو وہاں سے اسی سال ارکاٹ(۲۱) چلے گئے اور چند ماہ یہاں مقیم رہے۔ اسی دوران یہ رسالہ تالیف کیا(۲۲)

۲۲ صفحات پر مشتمل یہ رسالہ ابتدا میں آزاد کی ایک مستقل تصنیف تھی۔ ۱۱۷۷ھ میں جب آپ نے اپنی مشہور کتاب سبحتہ المرجان فی آثار ہندوستان مرتب کی تو اس رسالہ کو اس کتاب میں پہلی فصل کے طور پر شامل کر لیا۔ رسالے کے ابتداء میں حمد و صلاۃ کے بعد لکھتے ہیں:۔

وفق اللہ تعالی بتالیفھا عبدہ المتوکل علیہ المتوسل الیہ الفقیر غلام علی الحسینی نسبا والواسطی اصلا والبلکرامی وطنا عاملہ اللہ بلطفہ سرا وعلانیا جمع فیھا ما وجد من ذکر الھند فی التفاسیر العظیمتہ والاحادیث الکریمتہ وسماھا شمامتہ العنبر فیما ورد فی الھند من سید البشر

اس کے بعد ان مشہور روایات کا ذکر کیا جس کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام جب جنت سے نالے گئے تو انہیں سرندیپ یعنی لنکا میں اتارا گیا۔ حضرت حوا کو جدہ(۲۳) میں ابلیس کو عراق میں ابلہ کے مقام پر سانپ کو اصفہان میں اور مور کو کابل میں۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ آدم ہندوستان میں ایک سو سال تک مقیم رہے اور اپنی غلطی پر روتے رہے تو پھر حضرت جبریل علیہ السلام نازل ہوئے ا رنہیں یہ دعا پڑھنے کو کہا:

اللھم انی اسئلک بحق محمد و ال محمد - - - الخ (۲۴)

اس کے بعد در منثور کے حوالے سے ایک دوسری دعا نقل کی ہے۔

ایک اور روایت کے مطابق ذوالقرنین کا ہندوستان میں آنا بیان کرتے ہیں کہ وہ سرندیپ میں وہ پہاڑ دیکھنے کے لئے گیا جہاں حضرت آدم علیہ السلام نازل ہوئے حضرت خضر بھی اس کے ہمراہ تھے(۲۵) وہاں جو درخت اگے ہوئے تھے ان کے متعلق حضرت خضر نے انہیں بتایا کہ یہ سب حضرت آدم کے آنسوؤں سے اگے تھے۔ جب قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا تو یہ خشک ہو گئے اور خوں کے آنسو بہانے لگے۔(۲۶)

اس کے بعد در منثور کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام جب زمین پر اتارے گے تو وہ بیت الحرام کی جگہ پر نازل ہوئے۔ بیت الحرام اس وقت جہاں کی طرف ... نازل کیا گیا اور وہ اپنی سفیدی کی وجہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے چمک رہا تھا۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام پر عصا نازل کیا گیا اور آپ کو حکم ہوا کہ قدم اٹھائیں جب آپ نے قدم اٹھایا تو وہ ہند اور سندھ میں پہنچ گئے ۳۔ ایک دوسری روایت کو نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب حضرت آدم ہندوستان میں اترے تو عرض کی یا اللہ میں فرشتوں کی آواز نہیں سن رہا جیسا کہ میں جنت میں سنا کرتا تھا تو جواب ملا کہ تمہاری خطا کے باعث پھر حکم ہوا کہ اے آدم جا اور میرا گھر تعمیر کرو اور اس کا طواف کرو جس طرح تم نے فرشتوں کو طواف کرتے دیکھا ہے تو حضرت آدم علیہ السلام مکے میں پہنچے اور گھر تعمیر کیا۔ لکھتے ہیں کہ جہاں جہاں حضرت آدم علیہ السلام کے دونوں قدم پڑے وہ جگہ آبادیاں، دریا اور شہر بن گئے اور دونوں قدموں کے درمیان جنگل اور بیابان پیدا ہو گئے۔

یہ رسالہ اس قسم کی بے سروپا روایات سے پر ہے۔ ان روایات کا ثبوت محل نظر ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں نے جس کاوش اور تلاش و جستجو سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کو ضبط کیا ہے اس کی مثال قیامت تک کہیں نہ مل سکے گی۔ مسلمانوں نے ان روایات کو صرف جمع کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ انہیں پرکھنے اور جانچنے کے لئے اسماء الرجال کا وہ عظیم الشان فن ایجاد کیا جس کی بدولت آج کم از کم ایک لاکھ شخصوں کے حالات معلوم ہو سکتے ہیں۔ ہزاروں محدثین نے اپنی عمریں اس کام میں صرف کر دیں کہ سلسلہ روایات میں جو لوگ آئے ہیں وہ کیسے لوگ ہیں، ان کے مشاغل کیا تھے چال چلن کیسا تھا، حافظہ کیسا تھا ثقہ تھے یا غیر ثقہ، عالم تھے یا جاہل، ان معلومات کو جمع کرنے کے لئے وہ ایک ایک شہر میں گئے راویوں سے ملے۔ ان کے متعلق ہر قسم کی معلومات حاصل کیں۔ جو لوگ اس زمانے میں موجود نہ تھے ان سے ملنے اور انہیں دیکھنے اور جاننے والوں سے ان کے حالات معلوم کئے اور اس معاملے میں کسی شخص کے رتبے اور حیثیت کی پرواہ نہ کی اور پھر ائمہ نے روایات کی جرح و تعدیل کے لئے عقل و نقل کے وہ عظیم معیار سامنے رکھے جو اسلامی وقار اور تعلیمات اسلام کی عظمت کے صحیح آئینہ دار ہیں انہوں نے ہر روایت کو معیار کی اس باریک چھلنی میں چھانا اور ہر روایت کے درجہ، قبولیت یا عدم قبولیت پر آزاد گفتگو کی کہ کوئی بڑے سے بڑا محدث بھی ان کی اس تنقید سے بچ نہیں سکا۔

سلطنتوں اور اقتدار نے بھی روایات پر اثر انداز ہونے کی کوشش کی چنانچہ سیاسی حیثیت سے خلفائے بنو امیہ حضرت علی رضی اللہ کے مخالف تھے اور خلفائے بنی عباس کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے عناد تھا محدثین اگر ان سیاسی اغراض کی تکمیل کو اپنا شعار بنا لیتے تو ان دونوں حضرات کے استحقاق و مناقب میں احادیث کا کافی ذخیرہ کتب حدیث میں موجود ہوتا لیکن ایسا نہیں ہے اس کے برعکس خود حدیث کی کتابوں سے یہ بات ثابت ہے کہ اگر کبھی خلفا میں سے کسی نے درپردہ اس قسم کی خواہش کا اظہار کیا بھی تو ائمہ حدیث نے نہایت دلیری سے ان کی تردید کی۔ امام زہری جو خلفائے بنو امیہ کے ہاں آمد و رفت رکھتے تھے اور ہشام بن عبدالملک کے بچوں کے معلم تھے صحیح بخاری میں خود ان سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ مجھ سے ولید بن عبدالملک نے کہا کیا تم کو یہ روایت پہنچی ہے کہ جن لوگوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر اتہام لگایا ان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے میں نے کہا نہیں البتہ تمہاری قوم کے دو آدمیوں ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن اور ابو بکر بن عبدالرحمٰن بن حارث نے مجھ سے روایت کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس الزام سے بری تھے۔ امام زہری اگر یہاں ذرا مداہنت سے کام لیتے تو نہایت آسانی سے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر الزام قائم کر سکتے تھے لیکن آپ نے ولید کے اس بیان کی سختی سے تردید کی۔

البتہ یہاں اس امر کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ سلسلہ روایت یعنی اسناد کی جانچ پڑتال کے بعد متن حدیث یعنی حدیث کے مضمون کو جانچنا بھی ضروری ہے ہو سکتا ہے کہ اس میں کوئی ایسی علت پائی جاتی ہو جو اسے درجہ اعتبار سے ساقط

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کردے چنانچہ علامہ قسطلانی شارح بخاری لکھتے ہیں۔

”لا یلزم من صحتہ الاسناد صحتہ المتن‘ فقد یصح الاسناد و یکون فی المتن شذوذ وعلتہ تقدح فی صحتہ (۲۷)

(حدیث کی اسناد صحیح ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا متن بھی صحیح ہو کیونکہ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ اسناد تو صحیح ہو لیکن متن حدیث میں کوئی ایسا سقم موجود ہو جو اس کی صحت کو مخدوش کردے۔

علامہ رشید (۲۸) رضا اپنی تفسیر المنار میں لکھتے ہیں:

ثم ان لعلما ء الحدیث من وراء نقد اسانید الاخبار والاثار نقدا اخر لمتونها من نواحی معانیها ولغتها و حکم العقل والشرع فیها تعارضها مع غیرها ویشارکهم فی هذا النوع من النقد رجال الفلسفتہ والادب والتاریخ ویسمونہ فی عصرنا النقد التحلیلی ومن ثم استشکلوا کثیرا من الاحادیث حتی الصحیحتہ الاسانید۔ تکلموا علیها فی شروحها و صنف بعضهم فیها کتبا خاصتہ اشهرها مشکل الاثار للطحاوی (۲۹)

(علماء حدیث اخبار و آثار کی اسانید پر تنقید کرنے کے علاوہ ان کے فنون کو بھی زیر بحث لاتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ معانی اور لغت کے لحاظ سے ان کا کیا مرتبہ ہے۔ عقل و شرع کا ان کے متعلق کیا حکم ہے اور دیگر روایات سے ان کے تعارض کا کیا حال ہے۔ اس قسم کی تنقید میں فلسفہ‘ ادب اور تاریخ کے علما بھی ان کے ساتھ شریک ہوتے ہیں اور موجودہ دور میں اسے نقد تحلیلی کہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے بہت سی ایسی احادیث کو بھی مشکل خیال کیا جن کی سند صحیح ہے اور شرح احادیث میں ان پر گفتگو کی ہے بعض علماء نے اس قسم کی احادیث کے متعلق مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں سب سے مشہور امام طحاوی کی مشکل الاثار۔

پھر یہ امر بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ یہودیوں کی ایک دینی ثقافت تھی جو توراۃ سے ماخوذ تھی‘ عیسائیوں کی الگ دینی ثقافت تھی جس کا ماخذ انجیل تھی جب ان دونوں گروہوں میں سے ایک کثیر تعداد نے اسلام قبول کر لیا تو وہ اپنی ان ثقافتوں کو بھلا نہ سکے اور جہاں کہیں موقعہ ملتا وہ اس کو بیان کرتے۔

پھر قرآن مجید میں کئی مضامین ایسے موجود ہیں جو توراۃ اور انجیل میں بھی موجود ہیں بالخصوص انبیاء کے قصے اور مختلف قوموں کے حالات۔ قرآن مجید نے انکا ذکر تاریخ نگاری کے انداز میں نہیں کیا اور نہ ہی قصوں کی جزئیات کو بیان کیا ہے کیونکہ قرآن مجید کا ان سے مقصد اخلاقی ہدایت‘ دعوت نصیحت‘ عبرت‘ تنقید اور شواہد ہے اس لئے اس نے ان قصوں کو مختلف مقامات پر مختلف طریقوں اور مختلف الفاظ میں دہرایا ہے لیکن توراۃ اور انجیل میں ان قصوں اور اخبار اقوام کی جزئیات کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ مسلمان ہونے والے یہ اہل کتاب ان اخبار و قصص کی تفصیلات کو اپنی اپنی کتابوں کے مطابق بیان کرتے تھے۔ بعض صحابہ جب ان سے یہ تفصیلات سنتے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کی تعمیل کرتے ہوئے **لا تصد قوا اهل الکتاب ولا تکذ بوا هم** ان تفصیلات پر کوئی نقد و تبصرہ نہ کرتے اور ان امور کو جو عقیدہ یا احکام کے بارے میں نہ ہوتے قبول کر لیتے اور انہیں آگے بیان بھی کرتے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی موجود ہے ”**حد ثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج** یعنی جن امور کے کذب کے بارے میں تم نہیں جانتے انہیں بنی اسرائیل سے روایت کرو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ روایات اسلام میں داخل ہو گئیں اور انہیں اسرا ئیلیات کا نام دیا گیا۔

صحابہ نے تفسیر قرآن کے سلسلے میں اہل کتاب کی کسی چیز کو قبول نہ کیا سوائے چند ایک امور میں جو نہ ہونے کے برابر ہیں۔ لیکن جب تابعین کا زمانہ آیا اور اہل کتاب کی کثیر تعداد نے اسلام قبول کر لیا تو یہ روایات تفاسیر میں نقل ہونے لگیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابن خلدون لکھتے ہیں۔

و اذا تشو قوا الی معرفتہ شی ء مما تشوق الیہ النفوس البشریتہ فی اسباب المکونات وبدء الخلیقتہ‘ واسرار الوجود‘ فانما یساء لون عنہ اھل الکتاب قبلھم و یستفیدونہ منھم وھم اھل التوراۃ من الیھود و من تبع دینھم من النصاری . . . . . فامتلات التفاسیر من المنقولات عنھم (۳۰)

مفسرین نے ان روایات کو نقل کرتے وقت ان کی صحت نقل‘ ان کی چھان بین اوران کے ردو قبول کے لئے ان شرائط کو ملحوظ نہیں رکھا جو نقد حدیث کے لئے ان کے ہاں متداول تھیں۔ نیز علمائے جرح وتعدیل میں شاذ و نادر ہی کوئی ایسا شخص ہو گا جسے کتب سابقہ یعنی توراۃ اور انجیل پر عبور حاصل ہو اس لئے وہ ان کی روایات کو اصل کتابوں سے تطبیق بھی نہ دے سکے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کتب تفاسیر و احادیث میں ایسی عجیب و غریب اور بے سروپا روایات درج ہوتی چلی گئیں جن کی کوئی اصل نہیں نہ معقول ہیں اور نہ منقول میں اور اس سے بڑے بڑے محتاط مفسر بھی نہ بچ سکے چنانچہ علما لکھتے ہیں کہ ابن کثیر جو دوسروں کی نسبت اسرائیلی روایات کے متعلق بڑے محتاط ہیں ان کی تفسیر میں سے بھی ایسی روایات کی ایک مستقل کتاب تالیف کی جا سکتی ہے۔

مزید بر آں یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ فضائل مقامات اور ایام و شہور میں موضوعات کا بڑا ذخیرہ ہے اور ان میں سے بعض روایات تو بڑی عام اور مشہور ہیں۔

رجب شھر اللہ و شعبان شھری و رمضان شھر امتی.....الخ

محققین اور ثقات فن نے اسے موضوع قرار دیا ہے (۳۱) کیونکہ اس کے اسناد میں ابو بکر بن الحسن النقاشی ہے جو متہم ہے اور کسائی نامی بھی ایک راوی ہے جو مجہول ہے (۳۲)

اس کے علاوہ یہ بات بھی اپنی جگہ ایک حقیقت ہے کہ ہر فن اپنی بحث و نظر کے لئے ایک خاص جماعت رکھتا ہے اور اس کے خاص خاص اصول ہیں۔ فن تاریخ کی بحث ہو تو مورخین کی سند لکھئے۔ ادب کے مسائل ہوں تو ائمہ ادب کی طرف رجوع کیجئے یہ نہ کیجئے کہ بحث تو فقہ کی ہو لیکن معتبر سمجھیں آپ کسائی اور سیبویہ کو کیونکہ وہ فن نحو میں امام تھے (۳۳) آزاد بھی ایک تذکرہ نگار اور ادیب تھے محدث نہیں تھے کہ علم جرح و تعدیل پر ان کی نظر ہوتی اور پھر انہوں نے تو تاریخ طبری‘ الدر المنثور اور امام غزالی کے اتباع میں ان روایات کو نقل کیا ہے۔ اس لئے آزاد کو تنہا اس بے احتیاطی کا ذمہ قرار دینا کسی طرح بھی درست نہیں۔

ھبوط آدم علیہ السلام کے متعلق یہ امر بھی پیش نظر رہنا چاہئے کہ علما کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو جس جنت میں رہنے کا حکم ہوا تھا وہ زمین پر ہی کوئی باغ تھا یا یہ اخروی جنت تھی۔ فریقین نے اس سلسلے میں اپنے اپنے دلائل دیئے ہیں جنہیں علامہ ابن قیم ؒ نے اپنی کتاب حادی الارواح الی بلاد الافراح میں شرح و بسط سے لکھا ہے لیکن آپ نے کسی کو ترجیح نہیں دی۔ (۳۴)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حوالہ جات

۱۔ یکے از تصانیف غلام علی آزاد بلگرامی (عربی) ۱۲۸۸ میں راجہ بنارس مہاراجہ ایساری (ایشوری) پرشاد کی فرمائش پر سید شمس الدین بن شاہ وارث علی حسنی بنارسی نے اس کا فارسی میں ترجمہ کیا (فہرست مخطوطات اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ جلد ۸ صفحہ ۸۷۷

۲۔ محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین دہلوی۔ ۲ صفر ۶۳۶ھ اکتوبر ۱۲۳۶ء کو بدایوں میں پیدا ہوئے۔ وفات ۱۸ ربیع الثانی اپریل ۱۳۳۵ء

۳۔ قطب الدین احمد (شاہ ولی اللہ) بن شاہ عبدالرحیم پیدائش ۴ شوال ۱۱۱۴ ۱۰ فروری ۱۲۰۳ وفات ۲۹ محرم ۱۱۷۶ھ ۱۲ اگست ۱۷۶۲ء

۴۔ شیخ عبدالحق۔ پیدائش محرم ۹۵۸ھ جنوری ۱۵۵۱ وفات ۲ ربیع الثانی ۱۱۵۲ ۳ جون ۱۶۴۲

۵۔ آزاد کی صراحت کے مطابق پورب سے مراد اودھ، الہ آباد اور عظیم آباد ہے۔ سبحۃ المرجان صفحہ ۵۳

۶۔ بلگرام ہندوستان کے ضلع ہردولی کا ایک بہت قدیم قصبہ ہے۔ پرانی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا قدیم نام سری نگر تھا جو کہ وہاں کے راجہ سری رام کے نام سے منسوب تھا۔

آزاد: غلام علی۔ سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان، مطبوعہ بمبئی صفحہ ۱۱۹

۷۔ ایضاً آزاد: غلام علی۔ خزانہ عامرہ، مطبوعہ نو لکشور ۱۸۷۱ء صفحہ ۳۱۵

۸۔ سیوستان۔ بلاد سندھ کا ایک قصبہ ہے

۹۔ آزاد، غلام علی، خزانہ عامرہ صفحہ ۳۲۹

۱۰۔ آزاد، غلام علی۔ سبحۃ المرجان۔ مطبوعہ بمبئی صفحہ ۱۱۹

۱۱۔ شیخ محمد حیات سندھی المدنی ابن ملا فلاریہ من قبیلہ جاچڑ، ساکن فی اطراف عادل پور (بھکر کے مضافات میں سے ہے۔ عین جوانی میں سندھ سے نکلے مدینۃ النبی میں مقیم ہوگئے۔ تحصیل علم شیخ ابوالحسن سندھی سے اور سند حدیث شیخ عبداللہ بن سالم سے حاصل کی ۲۶ صفر ۱۱۶۳ میں فوت ہوئے (سبحۃ المرجان ۹۴)

۱۲۔ آزاد، غلام علی: سبحۃ المرجان ۱۱۹

۱۳۔ آزاد: غلام علی۔ خزانہ عامرہ

۱۴۔ آزاد غلام علی۔ سبحۃ المرجان صفحہ ۱۵

۱۵۔ تفصیل کے لئے دیکھئے سبحۃ المرجان ۱۲۰

۱۶۔ صدیق حسن خاں، نواب سید، مولانا۔ اتحاف النبلاء المتقین باحیاء ماثر الفقہا المحدثین۔

۱۷۔ تفصیل کے لئے دیکھئے سبحۃ المرجان، خزانہ عامرہ۔

۱۸۔ شمامۃ العنبر فی ماورد فی الھند من سید البشر۔

۱۹۔ مدراس کے ضلع شمالی ارکاٹ کا ایک شہر جو دریائے بالار کے کنارے واقع ہے۔ ارکاٹ تامل زبان کے لفظ ارک کد سے ماخوذ ہے معنی ارکا جنگل

۲۰۔ قلمی نسخوں کے لئے دیکھئے فہرست کتب خانہ آصفیہ جلد ۱ صفحہ ۲۵۸ ش ۸۵۳، ۸۵۷، ۸۵۹ برٹش میوزیم لائبریری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں مولف کا خود نوشتہ نسخہ موجود ہے۔

۲۱۔ آزاد غلام علی۔ شامتہ العنبر صفحہ ا

۲۲۔ سیوطی: جلال الدین۔ الدر المنثور جلد اول مطبوعہ مصر ۵۹

۲۳۔ ایضاً صفحہ ۶۰

۲۴۔ ذوالقرنین کے بارے میں تحقیق کے لئے دیکھئے ترجمان القرآن از ابوالکلام آزاد جلد دوم صفحہ ۴۰۹ اور تفہیم القرآن از ابو الاعلیٰ مودودی۔

۲۵۔ سیوطی: جلال الدین۔ الدر المنثور مطبوعہ مصر جلد اول نمبر ۶۵

۲۶۔ ایضاً: جلد چہارم ۲۴۲۔ ایضاً ۱۶۱ ایضاً ۱۳۱

۲۷۔ ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ بن عبدالملک الازری الطحاوی۔ مصر کے سب سے بڑے حنفی عالم تھے۔ پیدائش ۲۲۹/۲۳۹ھ ۸۵۳ء ۶ ذوالقعدہ ۳۲۱ھ ۳۱ اکتوبر ۹۳۳ کو فوت ہوئے۔ مشکل الاثار آپ کی آخری تصنیف ہے یہ ان کے مطالعات کا آخری خزانہ ہے۔ ۱۳۳۳ھ میں حیدر آباد سے چار ضخیم جلدوں میں طبع ہوئی۔

۲۸۔ ابن خلدون: عبد الرحمٰن مقدمہ مطبوعہ مکتبہ المدرسہ دار الکتب البنانی بیروت صفحہ ۷۸۶

۲۹۔ ابوالکلام: آزاد: الھلال مئی ۱۹۱۳ صفحہ ۵

۳۰۔ ابو الکلام: آزاد الہلال مئی ۱۹۱۳ صفحہ ۵

۳۱۔ ایضاً

۳۲۔ شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن ابی بکر بن ایوب بن سعد ۶۹۱ ھ ۱۰۹۲ء کو دمشق میں پیدا ہوئے ان کے والد دمشق کے مدرسہ الجوزیہ کے قیم تھے اسی بناء پر انہیں ابن قیم کہا جاتا ہے۔ ۱۷ رجب ۷۵۱۔ ۱۶ اگست ۱۳۵۰ء میں فوت ہوئے۔

وقد اوضح عمر بن الخطاب رضي الله عنه صفات التواضع لمن يوليهم الامور يقوله :

أريد رجلا إذا كان في القوم وهو أميرهم كان كبعضهم، فإذا لم يكن أمير فكأنه أميرهم:

وقد قال الشاعر في التواضع :

تواضع تكن كالنجم لاح لناظر — على صفحات الماء وهو رفيع

ولا تك كالدخان يعلو بنفسه — إلى طبقات الجو وهو وضيع

© rasailojaraid.com